قاضی عطاء اللہ ندوی

خلیفہ وقت کے بچوں کی عید

رمضان کا زمانہ تھا، گرمی اپنے شباب پر تھی اور اگلے ہفتہ عید آرہی تھی جو مسرتوں اور رنگینیوں کی نوید ہوا کرتی ہے۔ دمشق کے بازاروں میں ہر طرف سجاوٹ اور رونق ہی رونق تھی۔ عید کی تیاریاں بڑے زور و شور سے جاری تھیں۔ وزراء، امراء کی بیگمات، بچے، عزیز و اقارب شہر کے چھوٹے بڑے سب خریداری میں مصروف تھے۔ ہر چھوٹا بڑا نئی نئی پوشاکیں خرید رہا تھا کہ خلیفۃ المسلمین عمر بن عبد العزیز کا بچہ محل سرا میں روتا ہوا داخل ہوا، ماں اپنے لعل کو روتا ہوا دیکھ کر بے قرار ہو گئی، اٹھایا، پیار کیا، آنسو پونچھے، سینے سے لگایا پھر پوچھا بیٹا کیا بات ہے تمہیں کس نے رلایا؟ کیا کسی دوست نے کچھ کہہ دیا؟ بچہ زور زور سے رونے لگا، ماں نے بے چین ہو کر بچے کو سینے سے لگا لیا۔ میرے لعل میں نہ کہتی تھی کہ گرمی اپنے زوروں پر ہے، بڑے بڑے بچے بھی روزہ نہیں رکھ رہے ہیں۔ تم نے اپنی کم عمری میں روزہ رکھنا شروع کر دیا، شاید تمہیں پیاس لگی ہے۔ بچے نے آنسو پونچھے اور کہا خدا کی قسم امی جان! مجھے پیاس نہیں لگ رہی ہے، نہ روزہ لگ رہا ہے، ماں نے محبت سے پیار کرتے ہوئے کہا کہ پھر رونے کا کیا سبب ہے؟ دیکھو اگلے ہفتہ عید آرہی ہے، اپنے بابا کے ساتھ عید گاہ جانا وہاں بڑی رونق ہو گی۔ بچہ بولا اسی وجہ سے تو میں رو رہا ہوں کہ اگلے ہفتے عید ہے، میرے سارے دوست جو میرے بابا کے وزیروں اور ملازموں کے بچے ہیں نئی نئی زرق برق پوشاکیں پہن کر عید گاہ جائیں گے۔ آپ کہتی ہیں تمہارے کپڑے میں ہاتھ سے دھو دوں گی۔ وہی ہاتھ سے دھلے ہوئے کپڑے پہن کر عید گاہ جانا۔ دیکھئے دوسرے بچے کتنے اچھے عمدہ کپڑے خرید کر لائے ہیں، مجھے تو ابھی سے شرم آرہی ہے، میں عید گاہ نہیں جاؤں گا۔ بچہ پھر زور زور سے رونے لگا۔ ماں سمجھ گئی اور خود بھی اشک بار ہو گئی۔ ہاں بیٹا میں سب کچھ منگوا دوں گی، اب تم سو جاؤ۔

تھوڑی دیر گزری تھی کہ حضرت عمر بن عبد العزیز خلافت کا کام کر کے محل سرا میں داخل ہوئے، کپڑے اتار کر آرام کرنا ہی چاہتے تھے کہ بیوی نے غمگین لہجے میں کہا! امیر المومنین میری جان آپ پر فدا، اگلے ہفتے عید آرہی ہے، بچہ نئی پوشاک کے لیے بہت بے چین ہے، ابھی روتے روتے سویا ہے۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے سر جھکا کر فرمایا، تمہیں تو معلوم ہے کہ مجھے تو صرف سو درہم ماہوار ملتے ہیں جس میں کھانے پینے کا گزارا اور ایک ملازم کی تنخواہ بڑی مشکل سے پوری ہوتی ہے۔ کچھ بچے تو کپڑوں کی باری آئے۔ رہا بیت المال تو وہ صرف غریبوں، فقیروں، یتیموں اور بیواؤں کا حق ہے۔ میں تو صرف اس کا امین ہوں، اس کا تو خیال کرنا بھی گناہ ہے۔

بے شک میرے سرتاج! لیکن بچہ تو نا سمجھ ہے، ضد کر رہا ہے۔ دیکھئے نا بچے کے موٹے موٹے آنسوؤں کے نشان اب تک رخساروں پر موجود ہیں۔

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے اپنی بیوی فاطمہ سے کہا، اگر تمہارے پاس کوئی چیز ہو تو اس کو فروخت کر دو۔ بچوں کی خوشی پوری ہو جائے گی۔ فاطمہ نے کہا، اے امیر المومنین! میرے تمام زیورات تو آپ نے بیت المال میں جمع کرا دیے بلکہ وہ قیمتی ہار جو میرے والد نے یادگار کے طور پر مجھے دیا تھا، آپ نے وہ بھی جمع کروا دیا ہے۔ اب تو میرے پاس سوائے آپ کی محبت اور فرماں برداری کے کچھ نہیں ہے۔ امیر المومنین نے سر جھکا لیا، بڑی دیر تک سوچتے رہے، ماضی کو دیکھتے رہے، اپنا بچپن، جوانی، خوش پوشی، نفاست یاد آنے لگی، وہ زمانہ یاد آیا کہ جو لباس ایک دفعہ پہن لیا وہ دوبارہ زیب تن نہیں کیا، جس راستے سے گزر جاتے وہ راستے گھنٹوں خوشبوؤں سے مہکتے رہتے۔ ایک عبا نہیں سیکڑوں عبائیں پڑی رہتی تھیں۔ سوچتے سوچتے آنکھوں میں آنسو آگئے۔ فاطمہ ہر دل عزیز شوہر کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر بے قرار ہو گئیں۔ کہا امیر المومنین مجھے معاف کر دیجئے۔ وہ بولے، نہیں فاطمہ! مجھے اپنا بچپن یاد آگیا تھا۔ پھر بیت المال کے داروغہ کے پاس ایک خط لکھ کر بھیجا، ملازم کو خط دیا اور کہا کہ ابھی یہ خط داروغہ کے پاس لے جاؤ جو کچھ وہ تمہیں دیں احتیاط سے لانا۔ خط میں لکھا کہ مجھے ایک ماہ کی تنخواہ پیشگی بھیج دیں۔ تھوڑی دیر بعد ملازم خالی ہاتھ آگیا۔ فاطمہ کا دل دھک سے ہو گیا۔ ملازم خط کے جواب میں ایک خط لایا جس میں لکھا تھا کہ اے خلیفۃ المسلمین آپ کے حکم کی تعمیل سر آنکھوں پر، لیکن آپ کو معلوم ہے اور یہ آپ کو یقین ہے کہ آپ ایک ماہ تک زندہ رہ سکتے ہیں اور جب یہ یقین نہیں تو پھر غریبوں، یتیموں اور بیواؤں کے مال کا حق کیوں پیشگی اپنی گردن پر رکھتے ہیں؟ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ جواب پڑھ کر بے چین ہو گئے، آنکھوں میں آنسو آگئے اور بے ساختہ فرمایا اے داروغہ! تم نے مجھے ہلاکت سے بچا لیا۔

اگلے ہفتے عید اپنی پوری رعنائی کے ساتھ آئی۔ دمشق کے بازاروں اور امراء کے محلات کی رنگینیاں عروج پر تھیں۔ ہر طرف رونق، ہر طرف رنگینی، ہر شخص زرق برق اور قیمتی لباس میں عید گاہ جا رہا تھا۔ لیکن فلک نے دیکھا، دمشق نے دیکھا، ہر خاص و عام نے دیکھا، حضرت عمر بن عبد العزیزؒ اپنے بچوں کا ہاتھ پکڑ کر ہاتھ کے دھلے ہوئے پرانے کپڑے زیب تن کیے عید گاہ کی طرف جا رہے تھے۔ بچوں کے چہرے آفتاب و ماہتاب کی طرح چمک رہے تھے کیونکہ آج ان کی نظر فانی دنیا کی وقتی خوشی پر نہیں بلکہ جنت کی ابدی حسرت و تمنا کے احساس نے انہیں سرشار کر دیا تھا۔

(بہ شکریہ تعمیر حیات لکھنؤ)